ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022

Vol 5 No.4 2021

۲۰ویں صدی میں شاعرانہ تغیرات اور اقبال

POETIC CHANGES IN 20TH CENTURY AND IQBAL

*ڈاکٹر محمد اعجاز تبسم

Abstract

In the first half of twentieth century, poets like مولانا آزاد، حالی and other notable names got much appreciation in Urdu poetry and Ghazal writing. احسان دانش proved to be a beacon for the working class. جوش earned the title of revolutionary poet and a great poet. In free verse, میراجی ،ن-م راشد ،تصدق حسین خالد and مجید امجد took their footsteps in the court of fame and survival. فیض through his progressive approach consoled humanity, which was submerged in carnage. ناصر کاظمی traversed the unseenable Island of migration, dismay and remembrance. فراق and مجنوں tested new era's standard and problems and problems according to social context. اصغر گونڈوی described Sufism as a hotbed of cultural life. حسرت was awarded the title of رئیس المتغزلین. The horoscope of the deteriorating social situation of the sub-continent with this slavish mentality which was drawn by the great man, Galander and made him shine in the worried was surely Iqbal. Iqbal holds a special place in Urdu literature as a mystic and critic of the past and the future. He is the poet of every age, every generation, every nation and every state in whom all the impressions of the past, present and future of every human being's psychological desires and heartbeat are clearly heard. Iqbal's gift is that he succeeded in creating a forceful change in the rotten outdated subjects of Urdu poetry and combined it with innovation and individuality.

Keywords: *twentieth century, Urdu poetry, progressive, sub-continent, Urdu literature, psychological desires*

کلیدی الفاظ: جسم و جاں، جدت پسندی، روحِ رواں، لب و لہجہ، تہذیب و سماج، سماجی مسائل، حلقۂ اربابِ ذوب، لباسِ شعری، شاعرِ انقلاب، بالائے طاق، دین و ایمان، جذب و کیف، رئیس المتغزلین، اسلامی تہذیب، مردِ قلندر، مردِ حُر، معرفتِ ذات، عظیم مفکر، دیدہ ریزی، حدِ فاصل، ادراک، کارِ جہاں دراز، ترکِ موالات، جہدِ مسلسل، کرشمہ سازی، پیکرِ گل تابناک، رموزِ بے خودی، نظریۂ خودی، عزم و استقلال، رعنائی خیال، فکری بصیرت

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد برصغیر کے جسم و جاں میں انگریزی تہذیب و حاکمیت کا لہو اب عربی النسل گھوڑے کے مانند ادب و سماج کے ریگزاروں میں اک مقصدی تحریک بن کر دوڑ رہا تھا۔ آزاد نظم اور معرّیٰ نظم جس کے ابتدائی نقوش انیسویں صدی کے آخری عشروں میں عبدالحلیم شرر اور اسماعیل میرٹھی کے ادبی ذوق سے ظاہر ہو چکے تھے۔ اُس نے اب اپنی جڑیں مضبوط کر لیں اور نوجوان شاعروں کے تخلیقی لمس سے روشناس ہوئی۔ یہ وہ زمانہ تھا جب کلاسیکی شعری روایت مقدمہ شعر و شاعری کی اشاعت کے زیر اثر اب آہستہ آہستہ دم توڑ رہی تھی اور جدت پسندی کا اظہار نمایاں ہو رہا تھا۔ اسی دوران انجمن پنجاب اور مخزن نے پابند نظم کو فروغ دیا اور انجمن پنجاب کے مشاعروں کی وساطت سے موضوعی نظم نگاری کو بھی اُردو ادب میں زیادہ فروغ نصیب ہوا۔ حالی، شبلی اور آزاد اس کے روحِ رواں تھے۔ لہٰذا اس عہد میں حالی و آزاد نے فطرت کو اپنا موضوعِ سخن بنایا۔ اکبر الٰہ آبادی اپنے مخصوص طرزِ سخن اور طنز و تضحیک جیسے آلہ کار سے اک لاجواب تہذیبی مبصر اور اک منفرد نقاد کی صورت میں جلوہ گر ہوئے۔ تاہم اس عہدِ رواں میں داغ، امیر مینائی اور دیگر غزل گو شعرا کلاسیکی روایت کو سینے سے لگائے ادب کو زندگی بخش پیغام دے رہے تھے۔

*اسسٹنٹ پروفیسر، لاہور گریژن یونیورسٹی، لاہور

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol 5 No.4 2021

۲۰صدی کے ابتدائی عشرے میں ادب کے چہرے پر رونپذیر ہونے والے بعض ادبی رسائل اور تحریکات نے اُردو نظم و غزل کی معنویت اور فکر و شعور پر اپنے گہرے اثرات مرتسم کیے اور اس کا لب ولہجہ یکسر بدل گیا ہے۔ جنگ عظیم اول (۱۹۱۴ء– ۱۹۱۸ء) نے انسان کے فطری روپ کو زیادہ متاثر کیا۔ سیاسی سطح پر شکست و ریخت سے دو چار ہو کر اس کے اندر رد عمل کی قوت نے سر اُٹھایا، ہندوستان کی تہذیبی و سماجی حالت دگر گوں ہونے لگی۔ اسی ناگفتہ بہ سماجی صورت حال اور بدترین عہد میں ادب میں گوناگوں ترقیاں ہوئیں:

> ”اُردو زبان و ادب کے فروغ کے لیے مخزن، معارف، زمانہ، اُردوئے معلیٰ، ادیب، ہمایوں اور ہزار داستان جیسے رسائل جاری ہوئے۔“(1)

بالخصوص مخزن (سر عبدالقادر–۱۹۰۱ء) نے اُردو میں رومانوی تحریک کو فروغ دیا۔ علاوہ ازیں معارف، زمانہ (کان پور)، اُردوئے معلیٰ، ادیب، ہزار داستان، نقوش، اوراق، ادبِ لطیف اور ہمایوں (لاہور) جیسے رسائل نئے ادبی رجحانات کو تحریک دینے میں سود مند ثابت ہوئے۔ اُردو شعرا اور نثر نگاروں نے اس پلیٹ فارم سے اپنے عہد کی تہذیبی صورت حال، سماجی مسائل، سیاسی اکھاڑ پچھاڑ اور معاشی ابتری کو جدید عصری تقاضوں کے مطابق نئے فکری شعور کے ساتھ پیش کیا۔ لہٰذا:

> ” اُردو ادب کے اس دور میں اثبات و انحراف کے جو زاویے پیدا ہوئے ان کے فروغ میں اکبر الٰہ آبادی، منشی سجاد حسین، سید محمد آزاد، عبدالحلیم شرر، امداد امام اثر، خواجہ غلام الثقلین، محمد حسین آزاد، عزیز مرزا، میر ناصر علی دہلوی، اسماعیل میرٹھی اور متعدد دوسرے ادبا نے گراں قدر حصہ لیا۔ ان سب نے بیسویں صدی کی نئی تحریکوں کے لیے راہ ہموار کی جو سیاسی عمل اور سماجی ردِ عمل کے سنگم پر پیدا ہو رہی تھیں اور مستقبل کی طرف اُمیدِ افزا نظروں سے دیکھتی تھیں۔“(2)

اُردو ادب کے فروغ، انسان کے فکری رویوں، تہذیبی و سماجی تقاضوں کے لیے یہ تحریکات سود مند ثابت ہوئیں۔ جن میں رومانی(3)، ترقی پسند(4)، حلقۂ اربابِ ذوق(5)، اسلامی ادب، پاکستانی ادب اور ارضی ثقافتی تحریک بالخصوص قابلِ ذکر ہیں۔ جنھوں نے اپنے مثبت و منفی اثرات ادب اور مذہب و سماج پر مرتب کیے۔

۲۰صدی کے نصف اول کے نمایاں نظم و غزل گو شعرا میں مولانا محمد حسین آزاد، مولانا الطاف حسین حالی، حسرت موہانی، اختر شیرانی، اقبال، میراجی، احسان دانش، جوش، فیض، ن م راشد، مجید امجد، ناصر کاظمی، فراق گورکھپوری، مجنوں گورکھپوری، ساحر لدھیانوی اور اصغر گونڈوی کو زیادہ پذیرائی نصیب ہوئی۔ ان شعرا نے اُردو نظم و غزل کو نہ صرف نئے لباس شعری سے مزین کیا بلکہ نئے ادبی تقاضوں اور موجودہ سماجی صورتِ حال سے اسے ہم آہنگ کر کے بھرپور ادب نوازی کا ثبوت دیا۔ احسان دانش مزدور طبقے کے لیے مشعلِ راہ ثابت ہوئے۔ جوش ترقی پسند شعرا کے نہ صرف سرخیل قرار پائے بلکہ شاعر انقلاب اور شاعر اعظم کا لقب ان کے حصے میں آیا۔ ساحر لدھیانوی نے محبت جیسے پاکیزہ جذبے کو تہذیبی و سماجی تناظر میں نئی معنویت کے ساتھ اُجاگر کیا۔

کیا صرف مسلمان کے پیارے ہیں حسینؓ — چرخِ نوعِ بشر کے تارے ہیں حسینؓ
انسان کو بیدار تو ہو لینے دو — ہر قوم پکارے گی ”ہمارے ہیں حسینؓ“ (6)

یہ چمن زار یہ جمنا کا کنارہ یہ محل
یہ منقش در و دیوار یہ محراب یہ طاق
اک شہنشاہ نے دولت کا سہارا لے کر
ہم غریبوں کی محبت کا اڑایا ہے مذاق
میری محبوب کہیں اور ملا کر مجھ کو (7)

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol 5 No.4 2021

آزاد نظم میں تصدق حسین خالد (۱۹۲۶ء)، ن-م راشد، میراجی اور مجید امجد نے شہرت عام اور بقائے دوام کے دربار میں اپنے قدم جما لیے۔ میراجی اور ن-م راشد نے اُردو شعری روایت میں بغاوت کے عنصر کو فروغ دیا۔ روایت پرستی اور تہذیبی تقاضوں کو بالائے طاق رکھ کر آزادیِ فکر کو اپنا ذریعہ اظہار بنایا اور جنسیت کو زندگی میں مذہبی حیثیت عطا کر دی۔ ن-م راشد نے زندگی میں جنس پرستی کے غالب رجحانات کی بھرپور عکاسی کی اور سفاک فرنگی کے ظلم و جور کی داستانِ غم کو بڑے دل فگار انداز میں پیش کیا وہ ناقدین ادب کے روبرو بغاوت کی مثال قرار پائے۔[8] میراجی نے ہندوستانی ثقافت و دیومالا کی نہ صرف پوجا کی بلکہ جنسیت و محبت (میرا سین) کی خاطر اپنا دین و ایمان اور کلچر تک قربان کر دیا اسی بنا پر ڈاکٹر وزیر آغا نے انھیں اپنی کتاب "نظم جدید کی کروٹیں" میں دھرتی پوجا کی نادر مثال قرار دیا۔[9]

اسی نہج پر چلتے ہوئے فیض احمد فیض نے اپنے ترقی پسندانہ تصورات کے پیشِ نظر کشت و خوں میں لپٹی ہوئی نسلِ انسانیت پر ہمدردی کی شال اوڑھائی، خاک میں لتھڑے ہوئے اور خون میں نہلائے ہوئے لوگوں کی جانب اپنی توجہ مرکوز کی اور وطن کو ایک ہمدرد ماں کی طرح چاہا۔

ان گنت صدیوں کے تاریک بہیمانہ طلسم
ریشم و اطلس و کمخواب میں بنوائے ہوئے
جابجا بکتے ہوئے کوچہ و بازار میں جسم
خاک میں لتھڑے ہوئے خون میں نہلائے ہوئے
لوٹ جاتی ہے ادھر کو بھی نظر کیا کیجے
اب بھی دلکش ہے ترا حسن مگر کیا کیجے (10)

مجید امجد نے ہندوستانی تہذیب اور بالخصوص پنجاب کلچر کو روشناس کروانے کے ساتھ ساتھ وقت کو زندگی کا اہم خزینہ قرار دیا اور پنجاب کے دیہات کی بھرپور عکاسی کی۔

مجھے کیا خبر، وقت کے دیوتا کی حسیں رتھ کے پہیوں تلے پس چکے ہیں
مقدر کے کتنے کھلونے زمانوں کے ہنگامے، صدیوں کے صدہا ہیولے
مجھے کیا تعلق، میری آخری سانس کے بعد بھی دوش گیتی پہ مچلے
مہ و سال کے لازوال آبشارِ رواں کا وہ آنچل، جو تاروں کو چھو لے
مگر آہ یہ لمحۂ مختصر، جو مری زندگی، میرا زادِ سفر ہے
میرے ساتھ ہے، میرے بس میں ہے، مری ہتھیلی پہ ہے یہ لبا لب پیالہ
یہی کچھ ہے لے دے کے میرے لیے اس خراباتِ شام و سحر میں یہی کچھ!
یہ اک مہلتِ کاوشِ دردِ ہستی! یہ اک فرصتِ کوششِ آہ و نالہ! (11)

جہاں تک ناصر کاظمی کا تعلق ہے تو وہ کوئی مستقل نظریۂ حیات تو نہ دے سکے لیکن جذب و کیف اور زندگی کے نغمہ خواں کی حیثیت سے تسلیم کیے گئے۔ ہجرت، اداسی اور یاد کے ان دیکھے جزیروں میں ان کا سفرِ تخیل بڑا مقبول ہوا۔ یہی تین زاویے ناصر کے ہاں اجڑتی بستی ہند اسلامی تہذیب کے استعارے بنے۔

یاد کے بے نشاں جزیروں سے تیری آواز آ رہی ہے ابھی (12)

ان کے برعکس تابش، فراق اور مجنوں گورکھپوری نے زمانے کے معیار و مسائل کو سماجی تناظر میں پرکھ کر نہایت خوب صورت انداز میں لفظوں کا جامہ پہنا کر پیش کیا۔

زخم کھائے ہیں بہت عمر بسر ہونے تک سینکڑوں شمعیں جلائی ہیں سحر ہونے تک (13)

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol 5 No.4 2021

جب خون ہو چکا دل ہستی اعتبار کچھ درد بچ رہے جنھیں انساں بنا دیا (14)

"اصغر گونڈوی" نے تصوف کی رندی و سرمستی کو تہذیبی زندگی کی آماجگاہ قرار دیا۔

جلوہ ترا اب تک ہے نہاں چشمِ بشر سے ہر ایک نے دیکھا ہے تجھے اپنی نظر سے (15)

چنانچہ حسرت جنھیں ناقدینِ ادب نے "رئیس المتغزلین" کے دلفریب لقب سے نوازا، ان کے ہاں روایت پرستی اور جدت پسندی کا امتزاج دیکھنے کو ملا۔ وہ پہلے شاعر بنے جنھوں نے غزل کو نہ صرف سیاسی شعور عطا کیا بلکہ معاملہ بندی، عشق کی مشرقی روایت کی پاسداری اور خالصتاً ہند اسلامی تہذیب کے ترجمان کی حیثیت سے غزل گو شعرا میں نمایاں مقام حاصل کرنے میں کامیاب ہوئے۔

اس عہد میں اُردو ادب نئے سماجی رویوں، نئے طرزِ حیات اور ادبی رجحانات سے روشناس ہوا جس طرح علی گڑھ تحریک (16) نے ادب برائے زندگی کو معاشی حیات کا ترجمان اور سماجیت کا پیش خیمہ قرار دیا تھا اسی طرح ترقی پسند تحریک نے نسل انسانیت کو مذہب کا درجہ دے کر معاشرتی تناظر میں فرد کو بنیادی حیثیت عطا کر دی۔ اس کے زیر اثر لکھنے والوں نے ادب کو سائنسی عقلیت کے اصولوں پر پرکھتے ہوئے نسل انسانیت کے اندر استحصالی قوتوں کے ادراک کا نہ صرف شعور پیدا کیا بلکہ معاشی حقائق کو جدید سماجی تقاضوں کے مطابق متعارف کروانے کی بھی سعی کی۔ ڈاکٹر انور سدید کے بقول:

> "ترقی پسند تحریک کی عطا یہ ہے کہ اس کے ادیبوں نے سائنسی عقلیت اور معاشی حقائق کی اہمیت کو تسلیم کیا۔ استحصالی قوتوں کے ادراک کا احساس پیدا کیا اور شہد کی مکھیوں کے چھتے کی طرح ایک خوشحال معاشی سماج اور بلند انسانیت پر زور دیا۔" (17)

یہ اجتماعی شعور برّصغیر کے خاص و عام طبقے کو ادب کے جن ریگ زاروں سے نصیب ہوا اس کے خمیر میں بغاوت کا عنصر موجود تھا۔ غلامی کے خول کو توڑنے کا حوصلہ ہر کسی کے مقدر میں کہاں لکھا تھا۔ لیکن اس غلامانہ ذہنیت کے حامل برصغیر کی دگرگوں سماجی صورت حال کا زائچہ جس پیرِ لولاک عظیم مردِ قلندر نے کھینچا اور اسلامی دنیا میں ان کا اقبال بلندی پر چمکا وہ یقیناً اقبال ہی تھے۔ اگرچہ ان کی ادبی زندگی کا آغاز ارشد گورگانی اور داغ کے تلمذ سے شروع ہوا مگر وہ انجمن پنجاب، انجمن حمایت اسلام کے جلسوں کے زیر سایہ نظم گوئی کے ذریعے کائنات و زندگی کے اصلی حقائق کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے۔ اسی نظم گوئی نے انھیں برصغیر کا ہی نہیں بلکہ نسلِ انسانیت کا فقید المثال اور پیمبر شاعر بنا دیا۔ ہمالہ سے لے کر ارمغان حجاز کی مجلس شوریٰ تک انھوں نے لامثالی نظمیں تخلیق کیں۔ (18)

اس عہد میں اقبال نے قدامت پسندی کے اس بت کو توڑا اور غزل و نظم کو نیا شعری لباس عطا کر دیا جس میں حُسن و عشق کی صداقت اور معرفتِ ذات کی آرزو پوشیدہ تھی۔ چنانچہ نظم و غزل کو یکساں مقبولیت ملی۔ ڈاکٹر انور سدید کے بقول:

> "۲۰ صدی کے اوائل میں اُردو شاعری کی دو اصناف نسبتاً زیادہ مقبول تھیں اوّل غزل جس پر قدامت کا غلبہ تھا اور اب اقبال کے تخلیقی لمس سے ایک نئے ذائقے سے روشناس ہو رہی تھی دوم پابند نظم جسے انجمن پنجاب نے فروغ دیا تھا اور اب رسالہ "مخزن" اس کی ترویج جدید خطوط پر کر رہا تھا ان کے علاوہ نظم آزاد اور معرّیٰ بھی تھی جس کے ابتدائی نمونے اسمٰعیل میرٹھی اور عبدالحلیم شرر نے فراہم کیے تھے اور اب موضوع گفتگو بننے لگی تھی۔" (19)

لہٰذا کلاسیکی ادبی روایت کے خول کو توڑ کر آگے بڑھنے کی خواہش اس صدی میں اپنے عروج پر دکھائی دیتی ہے۔ دراصل روایت سے بغاوت کا یہ عنصر برّصغیر کی تہذیبی زندگی کو جدید خطوط پر گامزن کرنے کا پیام تھا جسے اس عہد کے حساس طبقے نے من و عن قبول کیا اور اپنے مخصوص طرزِ ادا کے ذریعے اپنی تخلیقات میں نمایاں کیا۔ بہ نظر تحقیق اگر دیکھا جائے تو یہ عہد تہذیبی آشوب، معاشی بدامنی، سیاسی ابتری، سماجی تنزل، نفسانی نشیب و فراز، اندرونی خلفشار اور غلامی کا زمانہ تھا۔

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol 5 No.4 2021

"ہمارا لباس، رہن سہن، سامانِ آرائش، لکھنے پڑھنے کے عمل میں مغربی تہذیب داخل ہو گئی ہے۔ وہ تصورات بھی آئے ہیں لفظیات بھی اور ان کا معنیاتی اثر بھی نئے کردار کس طرح ہمارے ذہنوں پر اثر انداز ہوئے ہیں اس کا مطالعہ یا مشاہدہ ہم اقبال اور فیض کی شاعری میں کر سکتے ہیں۔ دوسرے شعرا بھی اپنے اپنے طور پر نئی علامتوں سے کام لیتے رہے ہیں۔ ترقی پسند تحریک اور جدیدیت پسند تحریک کے نتیجے میں نئی علامتیں اور نئے کردار زیادہ اُبھر کر سامنے آئے ہیں۔"(20)

اُردو ادب میں اقبال مستقبل کے رمز شناس اور نکتہ دان کی حیثیت سے اپنا اک خاص امتیازی مقام رکھتے ہیں۔ اگرچہ ابتدا میں اقبال نے اپنے پیش رو شعرا کی تقلید کی مگر یہ اندھی تقلید نہ تھی بعد ازاں انھوں نے اپنی الگ منزل کا تعین کر لیا یہی ان کا طرۂ امتیاز اور خاصیتِ ابدی ہے۔ البتہ غالب جیسے عظیم مفکر شاعر سے وہ زیادہ اثر پذیر ہوئے اس ضمن میں ڈاکٹر انور سدید یوں رقمطراز ہیں:

"اقبال نے ان شعرا کی روایات کو اپنے ذہنی نظام کا مستقبل جزو نہیں بننے دیا اور بہت ہی جلد اپنی الگ راہ تلاش کر لی البتہ اقبال نے اپنے جس پیش رو کا اثر سب سے زیادہ قبول کیا وہ مرزا اسد اللہ خاں غالب ہے۔"
(21)

سچ تو یہ ہے کہ غالب جیسے فطرت پرست شاعر کے زیر اثر اقبال کی نظم و غزل میں فلسفیانہ تصورات اور سماجی زندگی کا شعور نہ صرف ان کی تہذیب یافتہ زندگی کا منہ بولتا ثبوت ہے بلکہ یہ فطرت سے ان کی قربت کا اظہار بھی ہے لہٰذا انفسانی جبلت جس کو غالب نے اپنی شاعری کا حصہ بنا کر نفسیاتی و سماجی سطح پر اپنی بے مثل دیدہ ریزی کا ثبوت دیا ہے، اقبال نے اپنے بے مثل فکری شعور کے پیشِ نظر اخلاقی قواعد و ضوابط اور تہذیبی دائرے میں رہ کر انسانی نفسیات کے مختلف دریچوں کو الفاظ کا روپ دے کر اپنی ذات اور فطرت کے درمیان موجود حدِ فاصل کو کم کرنے کی جستجو کی جس کی بنا پر ان کے فکر و شعور میں الوہی حسن آشکار ہوا اور وہ فطرت سے قربت پر آمادہ ہوئے۔

صبح ازل جو حسن ہوا دلستانِ عشق — آواز کن ہوئی تپش آموزِ جانِ عشق
یہ حکم تھا کہ گلشن کن کی بہار دیکھ — ایک آنکھ لیکے خواب پریشان ہزار دیکھ (22)

لہٰذا ان کے پہلے شعری مجموعے "بانگ درا" (۱۹۲۴ء) کی معروف نظموں ہمالہ، درد عشق، موجِ دریا اور بزم قدرت کا بنیادی موضوع بھی یہی رہا۔ اقبال نے اجتماعی سطح پر برصغیر کی سماجی زندگی کی تشکیلِ نو کی جس کے پس پشت مخزن اور مدیر مخزن کی شعوری مساعی شامل تھی کیوں کہ اس سے پہلے وہ صرف اور صرف مشاعروں میں جا کر نظمیں اور غزلیں پڑھ رہے تھے مگر انھیں کو ادبی پہچان رسالہ مخزن نے عطا کی اور وہ اک فعال تحریک کے روپ میں اُبھرے۔ بقول ڈاکٹر انور سدید:

"..... مخزن کی عطا یہ ہے کہ اس نے اقبال کو سماعت سے اشاعت کی طرف متوجہ کرایا اور مدیر مخزن شیخ عبدالقادر کی خوبی یہ ہے کہ انھوں نے نہ صرف اقبال کے قالب میں پرورش پانے والے شاعر کو دریافت کیا بلکہ یہ بھی پہچان لیا کہ اقبال کے داخل میں ایک فعال تحریک کے ضروری عناصر بھی موجود ہیں۔"(23)

یہ عناصر عربی و فارسی زبان کے حسین امتزاج اور انگریزی اثرات کے باوصف اقبال کے طغیانِ افکار میں نیا شوالہ بن کر دامنِ تخیل میں جو ہمالہ کے چشمے بن کر ابل رہے تھے اک شعوری عمل کی صورت اختیار کر گئے۔

مردِ حُر محکم زو ردِ لَا تخف — ما بمیداں سر بجیب، او سر بکف
مردِ حُر از لا الٰہ روشن ضمیر — می نہ گردد بندۂ سلطان و میر (24)

اقبال کی شعری کائنات میں ارتقائی و ارتفاعی صورت عشق و خودی کے باوصف جلوہ فگن ہوئی جس میں وسعت و دل پذیری کا عنصر بھی ہے اور ایک عالم گیر محرک زندگانی کا نوحہ بھی، حرکت و عمل کا درس بھی ہے اور تخلیقِ آدم کی پُر اسرار داستانِ معراج بھی،

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol 5 No.4 2021

آگے چل کر ان کے ذہنی اُفق کی کشادگی اور بھی روحانی ارتفاع کی صورت اختیار کر گئی جس میں عشق اک عارضی شے کا نام نہیں۔ بلکہ یہ عشق زندگی کے پہلو بہ پہلو اپنا سفر جاری رکھتا ہے۔ انسانی حیات میں یہ بے مثل اور تجسس پر مبنی نایاب چیز ہے۔ کارِ جہاں دراز ضرور ہے مگر یہ لمحوں اور بندہ پروری کا سفر ہے۔ اس کی حدیں مکاں سے لامکاں تک ہیں۔ اک مقام پر پہنچ کر زندگی اور عشق ایک دوسرے میں پیوست ہو جاتے ہیں۔ یہ انسانی حیات کی بنیادی قدر اور تہذیب و شائستگی سے عبارت ہے۔ یہ خود اختیاری سعی کا نام نہیں بلکہ اک فطری جذبہ ہے جہاں اک مقام پر پہنچ کر زندگی و موت میں امتیاز باقی نہیں رہتا۔

> "یہاں عشق تہذیب کی ایک بنیادی قدر بن جاتا ہے۔ عزت و ذلت کا معیار بن جاتا ہے اور اس کے حوالے سے زندگی اور موت کا مفہوم تبدیل ہو جاتا ہے۔ موت زندگی بن جاتی ہے اور زندگی موت بن جاتی ہے۔ کفر اسلام ہو جاتا ہے اور اس جوہر تابناک کے نہ ہونے سے اسلام کفر بن جاتا ہے۔"(25)

اقبال روحانی کشف میں ملبوس شاعر ہیں جنھوں نے انسان کی مادیت پرستی کے بت کو پاش پاش کرنے کی لگن کی اور ترکِ موالات مفاجات کی بجائے تگ و تارِ حیات میں آمادگی پر شعور بیدار کیا۔

انسان کو روحانی ارتفاع کے حصول کے لیے مائل بہ فلک کیا اور احساسِ بندگی کا جوہر اس کے قلب و دماغ کی نذر کیا، اسی قوت کا نام حرکت و عمل ہے جس کے لیے عزم و استقلال کی پختگی یقین و ایمان کا استحکام بے حد ضروری ہے کائنات کا پورا وجود اسی بنیادی شعور سے عبارت ہے کہ ہر شے مصروفِ عمل ہے۔ اسلام میں اسی نکتۂ نظر کو عمل صالح قرار دیا گیا جس کی تصوفی تعبیر جہاد کی صورت میں رونپذیر ہوئی اور مسلمانانِ عرب و عجم کی قوتوں کی نشوونما اسی سے ممکن ہوئی اور وہ اسی تحریک پر حاکمانِ جہاں کہلائے۔ یہی زندگی کا مقصد اولیں ہے۔ اور توشۂ آخرت بھی ہے جس میں کامیابی کا راز مضمر ہے۔ بقول:

ہے ذوقِ تجلی بھی اسی خاک میں پنہاں — غافل! تو نِرا صاحبِ ادراک نہیں ہے
عالم ہے فقط مومن جاں باز کی میراث — مومن نہیں جو صاحبِ لولاک نہیں ہے (26)

اک مردِ مومن کی حیات اسی جہد مسلسل کا پیش خیمہ ہے مگر اس قوت و عمل کے لیے اقبال کے نزدیک اہم ہتھیار عشق ہے یہی مردِ مومن کی ذات کا مرکز و محور بھی ہے اور ضابطہ اخلاق کا پابند بھی، اس کی کامیاب حسرتوں کا ترجمان بھی ہے اور زندگی کے قواعد وضوابط کا معمار بھی۔ انسان آب و گل کا مجسمہ ہے جس کی کوئی وقعت نہیں مگر اس نے قوتِ عشق سے نمو پائی ہے یہ اللہ کی کرشمہ سازی ہے کہ پیکرِ گل تابناک ہے کیوں کہ اس ہستی لامحدود نے اسے حیاتِ جاودانی بخشی ہے وہ اس کی نگہبان خود ہے:

اس پیکرِ خاکی میں اک شے ہے سو وہ تیری — میرے لیے مشکل ہے اس شے کی نگہبانی (27)

مردِ مومن یا مردِ مجاہد جس کے لیے اقبال نے اپنے ہر مجموعہ کلام میں الگ تمثیلی صورت بھی اختیار کی ہے ان کا یہ تصور قرآن مجید سے ماخوذ ہے وہ جلال و جمال کا مرقع، جہد مسلسل کا پیکر، گفتار و کردار میں اللہ کی برہان اور باطل قوتوں کے خلاف برسرِ پیکار رہنے والی ہستی کا نام ہے۔ عزم و استقلال اور سخت کوشی سے اس کی زندگی عبارت ہے وہ اپنی پختہ قوتِ ارادی سے اک باعمل سماج کی تخلیق میں معاون ہوتا ہے۔

> "مردِ مجاہد یا مردِ مومن، جسے قرآن مجید کی تعلیمات نے پروان چڑھایا ہے اس کی زندگی لگاتار کوشش اور مسلسل عمل کی زندگی ہوتی ہے۔ اس کا قول و کردار اللہ کی برہان ہے وہ جلال و جبروت کا مجسمہ بن جاتا ہے۔ بڑے سے بڑا خطرہ بھی ہو تو اس کا مقابلہ کرنے کو تیار ہو جاتا ہے۔ اس کے پاؤں میں کہیں بھی لغزش نہیں آتی۔"(28)

اقبال کے ہاں نظریۂ خودی دراصل بہترین زندگی کا سراغ رساں اور اک ایسی چنگاری کے مانند ہے جس سے دل کا صحرا تپ کر کندن بن جاتا ہے۔ فارسی مثنویات اسرارِ خودی، ۱۹۱۵ء اور رموزِ بے خودی، ۱۹۱۸ء کے علاوہ دیگر کلامِ اقبال میں اس کا تذکرہ ملتا ہے۔ بالِ جبریل، ۱۹۳۵ء میں مشمولہ اک پوری غزل اس لامثالی وجدانی تصور کی آئینہ دار ہے۔

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol 5 No.4 2021

عشق بھی ہو حجاب میں حسن بھی ہو حجاب میں یا تو خود آشکار ہو یا مجھے آشکار کر
باغ بہشت سے مجھے حکم سفر دیا تھا کیوں کارِ جہاں دراز ہے، اب مرا انتظار کر (29)

لامحالہ طور پر مشرقی تہذیب اور سماجی روایات و اقدار سے فطری وابستگی کا احساس دیگر شعرائے غزل کے ہاں نہیں ملتا جتنا کلامِ اقبال کی زینت بنتا ہے۔ آخری دورِ حیات (۱۹۳۵ء) میں اقبال کی غزلیہ شاعری آفاقیت و انقلابی نوعیت کی حامل ہے اب شاعر کے فکری شعور کی جڑیں مکاں سے لامکاں تک ہیں اگرچہ اس میں روایت پرستی کا عنصر بھی شامل ہے مگر اک تازگی کا احساس، روانی تسلسل بیان اور فصاحت نے انھیں آفاقی درجہ عطا کر دیا ہے۔

نکل کر خانقاہوں سے ادا کر رسم شبیریؓ کہ فقرِ خانقاہی ہے فقط اندوہ و دلگیری
ترے دین و ادب سے آ رہی ہے بوئے رہبانی یہی ہے مرنے والی اُمتوں کا عالم پیری (30)

وہ ہر دور ہر نسل ہر قوم اور ہر ریاست کے شاعر ہیں جن کے ہاں ماضی، حال اور مستقبل کی تہذیبی سماجی زندگی کے تمام نقوش ہر انسان کی نفسیاتی خواہشات کی آواز اور ہر دل کی دھڑکن صاف سنائی دے رہی ہے۔ انھوں نے صحیح معنوں میں کلاسکیت اور جدیدیت کے امتزاج سے اُردو ادب میں اک نئی لہر شروع کی یہ ان کا اعجاز بھی ہے اور ذوق ادب کا صحیح ترین ثبوت بھی۔ نغمگی روانی، رعنائی خیال، فکری و فنی شعور کا احساس اور مصدقہ حقائق کی نقش گری ان کی شاعری کے بنیادی اوصاف ہیں جن کو انھوں نے اپنے تازہ ترین فکر و شعور اور فلسفیانہ ترفع و تازگی سے مہمیز لگائی اور اُردو شاعری کے ارتقائی سفر کو منتہائے مقصود کی جانب گامزن کیا۔ پروفیسر عبدالغنی ان کی صفاتِ عالیہ کا تذکرہ کچھ اس طرح سے کرتے ہیں:

> "اقبال نے تازہ ترین فکری ترقیات میں اپنے فلسفیانہ تصور سے اضافہ کر کے انتہائی نغمگی، روانی اور رعنائی کے ساتھ ولولہ انگیز آفاقی حقائق کی نقش گری کی ہے فکر و فن دونوں کے اعتبار سے یہ اُردو شاعری کا ارتقائی سفر ہے جو میر و غالب کے درد و داغ سے شروع ہو کر اقبال کی جستجو و آرزو کے نقطۂ عروج تک پہنچتا ہے۔" (31)

سچ تو یہ ہے کہ وہ نظم و غزل کے یکساں مرد میداں ہیں ان کی رسائی مکاں سے لامکاں تک ہے۔ لفظ و معنی میں بنیادی رشتہ استوار کر کے اقبال نے ایک باشعور انسان، اک بے مثل اور باذوق شاعر، اک نکتہ شناس دانش ور، اک بے لوث فلسفی اور اک محسنِ ادب کا اعزاز حاصل کیا ہے۔ وہ پُر تجسس، پُر شکوہ، معنویت و وسعت سے بھرپور صلاحیتوں کے حامل ہیں ان کی شاعری کے تراجم دنیا کی کئی زبانوں میں ہو چکے ہیں۔

اقبال کی عطا یہ ہے کہ وہ اُردو غزل کے بوسیدہ و فرسودہ مضامین میں قوت آفریں تغیر پیدا کرنے میں کامیاب ہوئے اور اسے جدت و انفرادیت سے ہم کنار کر دیا۔ اس کے واضح نقوش ان کے ابتدائی کلام میں بھی نظر آتے ہیں بہر کیف اپنے آخری دورِ حیات میں وہ منتہائے مقصود تک رسائی حاصل کرنے میں کامیاب ہوئے۔

خودی کو جب نظر آتی ہے قاہری اپنی یہی مقام ہے کہتے ہیں جس کو سلطانی
یہی مقام ہے مومن کی قوتوں کا عیار اسی مقام سے آدم ہے ظل سبحانی (32)

اقبال شاعر ہے تجسس کا جستجوئے ذوق و شوق کا، حرکت و عمل کا، عشق و جنوں کا، محبت و معرفتِ زندگانی کا اسی کے دم سے اُردو نظم و غزل کو آزادی و وسعت ملی کہ محبوب سے قطع نظر وہ انسان اور اس کے سماج کی غماز بنی۔ اقبال اُردو نظم و غزل کے سخن دل نواز و نکتہ شناس شاعر ہیں، ولی سے لے کر اقبال تک آنے والے دیگر شعرا کی شاعری کی دمک ان کی گھن گرج کے سامنے ماند پڑ جاتی ہے۔ جن کی بڑی وجہ ان کا فکری و فنی مرتبہ ہے۔ لہٰذا کلامِ اقبال میں فکر و فن باہم ایک دوسرے میں پیوست ہیں۔ جس کی اُردو شاعری میں مثال ناممکن ہے انھوں نے اُردو ادب کے لیے جو خدمات سرانجام دیں، وہ سنہری حروف میں لکھے جانے کے قابل ہیں۔

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol 5 No.4 2021

انھوں نے جذب و عمل اور اپنی فنی صلاحیت کی بنا پر نظم و غزل دونوں پر بے پناہ دسترس حاصل کی۔ ان کی نایاب منظومات اور بے مثل غزلیات اس بات کی غمازی کر رہی ہیں کہ وہ اپنے خاص اسلامی مزاج اور لاجواب فکری بصیرت کے پیش نظر ایک شہرہ آفاق شاعر تھے اور ہمیشہ رہیں گے ان کی تحریک اُن کے وجودِ خاکی کے مٹ جانے سے مٹے گی نہیں بلکہ اس کی فعالیت کے اثرات آیندہ نسلوں تک جاری و ساری رہیں گے۔

حوالہ جات

(1) انور سدید، ڈاکٹر، اُردو ادب کی مختصر تاریخ، لاہور: عزیز بک ڈپو، طبع سوم ۱۹۹۸ء، ص ۳۴۲۔

(2) انور سدید، ڈاکٹر (مرتب)، "بیسویں صدی کی ادبی تحریکیں"، مشمولہ انتخابِ مخزن (۲۰۰۱ء- ۲۰۱۳ء)، لاہور: مجلس ترقی ادب، ۲۰۱۶ء، ص ۲۰۷، ۲۰۸

(3) اختر شیرانی، جوش ملیح آبادی، روش صدیقی، حفیظ جالندھری، ساغر نظامی نمایاں ترین شعرا تھے۔ خلیقی دہلوی، ابوالکلام آزاد، سجاد انصاری، ل-احمد اکبر آبادی، مہدی افادی، مجنوں گورکھ پوری، قاضی عبدالغفار، حجاب امتیاز علی، میرزا ادیب، نیاز فتح پوری اہم نثر نگار و افسانہ نگار تھے۔

(4) ترقی پسند تحریک کے نمائندہ شعرا میں جوش ملیح آبادی، علی سردار جعفری، فیض احمد فیض، مخدوم محی الدین، جاں نثار اختر، اسرار الحق مجاز، ساحر لدھیانوی، ظہیر کاشمیری، عارف عبدالمتین، فارغ بخاری، ظہور نظر، مجروح سلطان پوری، کیفی اعظمی، رضا ہمدانی، جمیل ملک، قتیل شفائی، شور علیگ اور محسن بھوپالی اہم ہیں جنھوں نے سماجی حقائق اور عصری مسائل کو بڑی جاں فشانی سے پیش کیا۔

(5) حلقۂ اربابِ ذوق کے نمایاں شعرا میں یوسف ظفر، قیوم نظر، مختار صدیقی، الطاف گوہر، انجم رومانی، ضیا جالندھری، سردار انور عظیم قریشی، سید فیضی، تابش صدیقی، وزیر آغا، بلراج کومل، مجید امجد، شہزاد احمد، اختر الایمان، تخت سنگھ، وحید قریشی، مبارک احمد، منیر نیازی، جیلانی کامران اور اعجاز فاروقی اہم ہیں۔

(6) جوش ملیح آبادی، حسین اور انقلاب، بمبئی: شیخ نذیر احمد ملک کتب خانہ، سنہ ندارد، ص ۳۔

(7) ساحر لدھیانوی، کلیاتِ ساحر، دہلی: کتابی دنیا، ۲۰۰۶ء، ص ۷۰۔

(8) وزیر آغا، ڈاکٹر، نظم جدید کی کروٹیں، لاہور: سنگت پبلشرز، ۲۰۱۳ء، ص ۳۷تا۵۳۔

(9) ایضاً، ص ۵۴تا۶۷۔

(10) فیض، فیض احمد، نقش فریادی، دہلی: اُردو گھر، طبع سوم، ۱۹۴۱ء، ص ۶۱۔

(11) مجید امجد، کلیاتِ مجید امجد، (مرتب: ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا)، لاہور: ماوراء پبلشرز، طبع دوم ۱۹۹۱ء، ص ۱۸۵- ۱۸۶۔

(12) ناصر کاظمی، دیوان، لکھنؤ: مکتبہ دین و ادب، ۱۹۷۷ء، ص ۳۵۔

(13) تابش دہلوی، محمود الحسن، چراغِ صحرا، کراچی: ادب گاہ، ۱۹۸۲ء، ص ۱۰۵۔

(14) فراق گورکھپوری، غزلستاں، الٰہ آباد: ساہتیہ کلا بھون، ۱۹۶۵ء، ص ۱۵۔

(15) گونڈوی، اصغر حسین، سرودِ زندگی، لکھنؤ: اتر پردیش اُردو اکادمی، ۱۹۸۲ء، ص ۵۴۔

(16) علی گڑھ تحریک کو سر سیّد (بانی تحریک)، حالی، شبلی، نذیر احمد، مولوی ذکاء اللہ، وقار الملک اور مہسن الملک نے تقویت بخشی۔

(17) انور سدید، ڈاکٹر (مرتب)، "بیسویں صدی کی ادبی تحریکیں"، مشمولہ انتخابِ مخزن (۲۰۰۱ء- ۲۰۱۳ء)، لاہور: مجلس ترقی ادب، ۲۰۱۶ء، ص ۲۰۹۔

(18) شکوہ، جوابِ شکوہ، خضرِ راہ، شمع و شاعر، ساقی نامہ، مسجد قرطبہ، ابلیس کی مجلس شوریٰ، ذوق و شوق، طلوعِ اسلام، لا الٰہ الا اللہ، علم و عشق، مردِ مسلماں، ٹیپو سلطان کی وصیت، ہمالہ، بلال، مرزا غالب پرندے کی فریاد، ہمدردی، ایک آرزو، شمع، تصویر درد، بلادِ اسلامیہ ان کے بلند شعری ذوق اور تخلیقی ہنر کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔

(19) انور سدید، ڈاکٹر، اُردو ادب کی مختصر تاریخ، لاہور: عزیز بک ڈپو، طبع سوم ۱۹۹۸ء، ص ۳۴۷۔

(20) تنویر احمد علوی، ڈاکٹر، کلاسیکی اُردو شاعری (روایتی ادارے، کردار اور علامتیں)، لاہور: مجلس ترقی ادب، ۲۰۰۹ء، ص ۱۴۴۔

(21) انور سدید، ڈاکٹر، اُردو ادب کی تحریکیں، کراچی: انجمن ترقی اُردو پاکستان، اشاعت سوم ۱۹۹۷ء، ص ۳۹۸۔

(22) محمد اقبال، لاہور، بانگِ درا، لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، طبع بست و یکم، ۱۹۶۲ء، ص ۳۳۔

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol 5 No.4 2021

(23) انور سدید، ڈاکٹر، اُردو ادب کی تحریکیں، کراچی: انجمن ترقی اُردو پاکستان، اشاعت سوم ۱۹۹۷ء، ص ۴۰۰۔

(24) محمد اقبال، علامہ، مثنوی پس چہ باید کرد مع مسافر، لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، طبع ششم، ۱۹۶۶ء، ص ۳۲۔

(25) سعد اللہ کلیم، ڈاکٹر، اُردو غزل کی تہذیبی و فکری بنیادیں، لاہور: الوقار پبلی کیشنز، جلد دوم، ۱۹۸۰ء، ص ۹۰۲۔

(26) محمد اقبال، علامہ، کلیاتِ اقبال، "بالِ جبریل"، لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، طبع دوازدہم، ۲۰۱۸ء، ص ۴۹۔

(27) ایضاً، ص ۳۴۸۔

(28) مقبول بدخشانی، مرزا، "اقبال کے کلام میں ستیزہ و پیکار" مضمون مشمولہ یادنامہ اقبال (بخش اُردو)، لاہور: خانۂ فرہنگ ایران، ۱۳۵۸ھ، ص ۲۰۔

(29) محمد اقبال، علامہ، کلیاتِ اقبال، "بالِ جبریل"، لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، طبع دوازدہم، ۲۰۱۸ء، ص ۳۴۵۔

(30) محمد اقبال، علامہ، کلیاتِ اقبال، "ارمغانِ حجاز"، لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، طبع دوازدہم، ۲۰۱۸ء، ص ۴۱۷۔

(31) عبدالغنی، پروفیسر، "میر، غالب، اقبال — عظمتِ شاعری کی تثلیث"، مضمون مشمولہ اخبارِ اُردو، ماہنامہ، جلد ۲۰، شمارہ ۱۱، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، نومبر ۲۰۰۴ء، ص ۴۔

(32) محمد اقبال، علامہ، ضربِ کلیم، لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، طبع ششدہم، ۱۹۷۲ء، ص ۳۲۔